پروفیسر تاثیر وجدان

زندگی کی ایک موجِ تُند جولاں

زیر نظر مقالہ محترم پروفیسر تاثیر وجدان صاحب نے (ستمبر ۱۹۹۱ء) میں حضرت امیر شریعت کی یاد میں دارِ بنی ہاشم ملتان میں منعقدہ تقریب میں پڑھ کر سنایا۔ (مُدیر)

اہل خیر کی اس مجلس ذکر و فکر میں میری شرکت تو صرف حصول اجر و ثواب کی نیّت سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی بڑے انسان کی عظمت کے اعتراف کے لئے خود معترف میں کسی نہ کسی درجے کی عظمت کا ہونا ضروری ہوتا ہے جو مجھ میں نہیں۔ مجھ ناچیز کا مقصد و مدعا شاہ جی مرحوم کی زندگی کے سوانح کی گہری تحقیق نہیں۔ نہ ہی ان کے شخصی اور نجی حالات و واقعات کی پوری پوری تدوین میرا مقصود ہے۔ اور نہ ہی ان کے مجاہدانہ، خطیبانہ اور مصلحانہ اور عارفانہ مقام و مرتبہ کے بارے میں کوئی باقاعدہ اور جامع مقالہ پیش کرنا اس وقت میرا ہدف، ان چند سطور کا منشا تو صرف ۱۸۹۲ء اور ۱۹۶۱ء کے درمیان کی عظیم ۷۲ سالہ زندگی کے سامنے جو پٹنہ سے چلی اور خاک ملتان میں ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گئی۔ سر جھکا کر صرف اظہار عقیدت کرنا ہے۔

عقیدتوں کی زبان جذباتی اور تاثراتی ہو جایا کرتی ہے۔ میں بھی اس کمزوری کا شکار ہوں۔ اس لئے میں معذرت خواہ ہوں۔ کہ میری اس جذباتی ژولیدہ بیانی کا خطاب آپ کی تجزیاتی اور استدلالی عقل سے نہیں بلکہ براہ راست آپ کے دل سے ہے۔ کیونکہ یہ طے ہے کہ جس محفل سے میں مخاطب ہوں وہ بنیادی طور پر اہل دل ہی کی محفل ہے۔

خدائے بزرگ و برتر کے جوش رحمت نے اس بسیط و بیکراں کائنات کو پیدا کیا اور اس کے استمرار رحمت نے اس ارضی کائنات میں اولاد آدم کی دائمی و روحانی کفالت اور خبر گیری کے لئے مسلسل انبیائے کرام بھیجے۔ پہلی بات کو قرآن نے رحمانیت کہا اور دوسری کو رحیمیت۔ نبوت مرحلہ در مرحلہ اپنے ارتقاء کے فطری مقسوم کو پورا کرتی ہوئی جب اپنے آخری نقطہ کمال کو پہنچی تو وہ نبوت آخر الزمان کے نام سے موسوم ہو کر حیات و کائنات کے دائرے میں اتری اور اپنی رحمتوں کے گراں قدر آب حیات سے تمام معلوم اور نامعلوم دنیاؤں کو ان کی آخری سرحدوں تک سیراب کر گئی۔

اے ترا قدسی ظہور انعام ربِ کائنات
اے پیمبر خلد کا ابرِ کرم تیرا وجود

کون جانے تیری رحمت کی پناہ گاہی کی حد
کیا خبر کن کن جہانوں پر ہے کب سے سایہ گستر
تیری رحمت کی ہمہ گیری کا سچا سائبان
دھوپ میں جلتے سروں کا آخری ملجا و ماویٰ
دکھ سے پتھرائے ہوئے چہروں کا دمساز وانیس
غم شناس و مہرباں آغوش مادر کی طرح

اس انتہائی برتر اور انتہائی برگزیدہ نبوت نے ساری مخلوق میں نوع انسان کی عزت بڑھا دی۔ رب کریم نے ہمیں پھر اپنے کرم سے نوازا۔ اور نبوت آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوڑے ہوئے گراں قدر روحانی ورثے کے محافظ اور اس کے اسوہ حسنہ کی عظیم روایات کے وارث اور امین بھی پیدا کر دیئے۔ جنہوں نے انسانی رُوح کے لہلہاتے چمن زاروں کو تندیٔ بادِ صرصر سے بچایا۔ ان وارثان نبوت میں مفسرین، محدثین، مجتہدین، مجاہدین، علماء، فقہاء، صلحاء، اتقیاء، اولیاء، حفاظ قرآن اور قاریان کرام وغیرہ شامل رہے۔ غرضیکہ عظیم مقدس اور نہایت ہی قیمتی ہستیوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا دریا تھا۔ جو اسلامی تاریخ کا ایک بہ پور اور جیتا جاگتا تسلسل بن کر کرہ ارض کی زندگی کو اپنے فیض سے سیراب کرتا رہا۔ انسانی روحوں کی آبیاری کرنے والے اسی دجلہ خیر و برکت کی ایک موج تند جولاں کا نام تاریخ نے عطاء اللہ شاہ بخاری رکھا۔ جس نے بڑے بڑے نہنگوں کے نشیمنوں کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔

اسی دریا سے اُٹھتی ہے موج تند جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا

یہ کیسی زندگی تھی جو واقعتہً سرزمین ہند پر ایک موج تند جولاں بن کر ابھری اور پھر اپنے ساتھ متوازی چلنے والے پورے سیاسی، سماجی، اور مذہبی عہد کو ایک نہایت فعال عنصر بن کر دور دور تک متاثر کر گئی۔

اس کی باغیانہ غیرت، اس کی سرفروشانہ جرأت، اس کی قلندرانہ اداء اور اسکے سکندرانہ جلال نے اپنے دور کے مستبد اور ظالم یورپی حکمرانوں اور ان کی کاسہ لیس نوکرشاہی کی راتوں کی نیند حرام کر دی۔ اس نے ناموس رسالت کے ڈاکوؤں کا عمر بھر پیچھا کیا۔ یہ کیسی زندگی تھی جو ٹوٹ جانا اور بکھر جانا جانتی ہی نہ تھی۔ وہ نہ نکبت و ہزیمت سے واقف تھی اور نہ ہی دشمن کے ساتھ کسی مفاہمت یا سمجھوتے کا اس کے ہاں کوئی تصور تھا۔ یہ کیسی زندگی تھی جس نے حق کی نمائندہ بن کر باطل کے ساتھ دائمی ٹکراؤ اور ایک ابدی کشمکش کو اپنا مقدر بنالیا تھا۔ شب و روز مزاحمت اور شب و روز پیش قدمی۔ شر کے ساتھ لحہ لحہ تصادم اور ہر بار چوٹ کھا کر زندہ تر ہوجانے کی ادا اور دشمن سے نپٹنے کی تازہ تر آرزو اور امنگ

آتش زندہ ہیں ہو جاتے ہیں بجھ کر زندہ تر
مر کے جی اٹھنے کا سرّ ارتقاء رکھتے ہیں ہم

حضور کے منہ مانگے گرامی قدر اور گراں قدر رفیق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے استقامت کی وضاحت یہ فرمائی تھی کہ آدمی شیر کی طرح جم کر سیدھا چلے، لومڑی کی طرح دائیں بائیں نکلنے کے راستے نہ ڈھونڈے۔ اسی انداز کی بے خوف استقامت اور اسی طرح عمر بھر کے لئے جادۂ حق پر مضبوط اور اٹل گام زنی اور پیش قدمی امیر شریعت کا وہ پر کشش بے باکانہ کردار ہے جسے بے ساختہ گلے لگا لینے کو جی چاہتا ہے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

کھری سچی زندگی کا مفہوم یہی رہا کہ وہ تعذیب کے تجربے سے گزر کر تہذیب حاصل کرے۔ تعذب یعنی عذاب جھیلے بغیر وہ تزکیہ و تہذیب یعنی نکھرنے اور سنور جانے کی انتہائی منزل تک پہنچ ہی نہیں سکتی۔ حضور ﷺ مزکی تھے، صحابہؓ کا تزکیہ نفس صرف اس وقت ممکن ہوا جب مصیبتوں اور دکھوں کی آگ نے ان کی زمانہ جاہلیت کی ہر آلائش کو جلا کر راکھ کر دیا۔ اور انہیں کندن بنا دیا۔

شاہ جی مرحوم بھی برطانوی حکمرانوں کے گونا گوں تشدد کا مسلسل نشانہ بنے۔ پے در پے گرفتاریوں، پے در پے مقدموں، مسلسل قید و بند، مسلسل طوق و سلاسل کی اذیتوں کے مرحلوں سے گزرنے کے علاوہ قاتلانہ حملے ان پر ہوئے، زہر انہیں دیا گیا، قتل میں ملوث کرنے کی پوری سازشیں کی گئیں۔ تقریر کے موقع اور مقام پر پہلے سے فائرنگ کر کے خوف و ہراس پھیلانے کی کوششیں عمل میں لائی گئیں۔ تقریر کے لئے جس راستے سے گزر کر جانا تھا وہاں فرنگی فرمانرواؤں اور ان کے گماشتوں کی طرف سے غنڈے گھات میں بٹھائے گئے۔ تاکہ شاہ جی اور انکے ساتھیوں کو خوف زدہ کیا جاسکے۔ اذیتوں کے ان تمام تجربوں کو شاہ جی نے اپنے لئے تزکیہ باطن اور تہذیب نفس کا ذریعہ بنایا۔ ۱۹۲۰-۲۱ء میں جب ایک پہلے مقدمہ میں مجسٹریٹ کی طرف سے حبس دوام کی سزا متوقع تھی اور سزا صرف تین سال قید بامشقت کی سنائی گئی تو شاہ جی نے مجسٹریٹ کی طرف دیکھتے ہوئے فی البدیہ یہ شعر کہا

دار کے حق دار کو یہ قید سہ سالہ ملے
ہائے مشکل تھی جو آساں ہوتے ہوتے رہ گئی

آگے جیل میں منتقل کرنے کی روداد جانباز مرزا کے اپنے الفاظ میں سنیئے۔

"گاڑی چلنے میں کچھ منٹ باقی تھے کہ پولیس کی بھاری جمیعت کے ساتھ شاہ جی کو اسٹیشن پر لایا گیا۔ پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں، ہاتھوں میں ہتھکڑی اس حالت میں یہ مرد درویش جب اسٹیشن کی عمارت میں داخل ہوا تو پتھر بھی آبدیدہ ہوگئے۔ برطانوی سامراج کا مجرم، وطن کا سپاہی، قرآن کا مبلغ آزادیٔ وطن کے جرم میں آہنی زنجیروں میں جکڑا ہوا، قیدیوں کی ویگن میں بیٹھنے کے لئے یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا

"عشق اپنے مجرموں کو پابجولاں لے چلا"

یہ عشق کیا تھا؟ شاہ جی کے ہاں عشق، عشق رسالت تھا۔ جس کی آتش سوزاں میں وہ عمر بھر جلے۔

دراصل یہی عشق تھا جس نے ان کی زندگی کو موج تند جولاں بنا دیا تھا۔ یہی سوزِ عشقِ رسالت تھا جس سے انکی تقریریں لبریز ہوتی تھیں۔ اسی عشقِ رسالت کی آگ تھی جس کی وجہ سے وہ کبھی تحریک ختم نبوت، کبھی تحریک احرار، کبھی تحریک خلافت وغیرہ کی سرگرمیوں میں شریک ہو کر ہمیشہ فیصلہ کن کردار ادا کرتے رہے۔ ان کے ہاں عشقِ رسالت اگر نہ ہوتا تو وہ مرزائیت کے خلاف دفاعِ رسالت اور تحفظ نبوت کا عظیم کام کیسے سرانجام دے سکتے تھے؟

شاہ جی مرحوم سنت ابراہیمی کی پیروی میں ساری عمر بتان آزری کو پاش پاش کرتے رہے۔ کیسے کیسے بت تھے جو انہوں نے توڑے۔ فرنگی استعمار اور معاشی استحصال کے بت، قادیانیت اور چکڑالویت کے بت، جاہلی رسوم و رواج کے بت، شرک و بدعات کے بت، ملمع ساز پیران پارسا کی پارسائی کے بت، سیاست کے جعلی سکہ سازوں کے بت، بت شکنی کا یہ سارا عمل انہوں نے لاالٰہ کی تیغ براں سے سرانجام دیا۔ لاالٰہ نے انہیں ہر طاغوتی طاقت سے انکار پر ابھارا، سارے بتوں سے یہ انکار دراصل ایک خدا کی ہستی کے اقرار کے لئے تھا۔ انہوں نے عمر بھر یہ نعرۂ توحید و تکبیر بلند کیا کہ

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آزری

شاہ جی اپنی شخصیت کے لحاظ سے غیر معمولی انسان تھے۔ سپرمین تھے۔ ان کی مردانہ وجاہت اور شوکت اور انکی آواز کے انتہائی سریلے زیر و بم نے نہ جانے کن کن لوگوں کے اندر چپکے چپکے ان کے لئے احساس پرستش ابھارا ہوا گا۔ ان کی خطیبانہ سحر انگیزی ناقابل مزاحمت اثر کی حامل تھی۔ اور یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ ان کی آواز نے معاشرے کے ہر طبقے کے افراد کو متاثر کیا۔ سماج کا نچلہ طبقہ بھی ویسے ہی متاثر ہوا جیسے متوسط اور اعلیٰ طبقہ۔ تینوں طبقوں کے وہ تمام مرد و زن خواہ مسلمان تھے، ہندو تھے، سکھ تھے، یا عیسائی جو بھی بحیثیت سامع ان کی آواز کے غیر معمولی ارتعاش کی زد میں آیا وہ کوشش کے باوجود متاثر اور مسحور ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ بعض اوقات محتسب قوت، ان آہنی سلاسل کو زمین پر پھینک کر شاہ جی کے قدموں پر گر گئی جنہیں وہ شاہ جی کی گرفتاری کے لئے اپنے ہمراہ لائی تھی۔

اس خطیبانہ اثر انگیزی اور فسوں سازی میں پورے ہندوستان میں بہ شمول ابوالکلام آزاد کوئی بھی ان کا ہم پلہ نہیں۔ ابوالکلام آزاد کی خطابت کا دائرہ اثر زیادہ تر پڑھے لکھے لوگوں تک محدود تھا۔ دیہات کے جاہل اور گنوار لوگوں تک تو نہ مولانا مودودی کی رسائی تھی نہ ابوالکلام آزاد کی۔ ان غریب انسانی آبادیوں پر تو صرف امیر شریعت کی تابناک آواز کا پرچم لہراتا تھا۔ شخصی اثرات کی اس گہرائی اور گیرائی کو ناپنے کا ہمارے پاس کوئی پیمانہ نہیں۔ شخصی اثرات کو مقداروں اصطلاحوں یعنی منوں اور سیروں میں تو ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔ اثرات کیفیتی ہوتے ہیں نہ کہ کمیتی۔ تو پھر آیئے یہ بات مان لیں کہ جو کام آج تک بعض پوری مذہبی جماعتیں نہیں کر سکیں وہ تنہا شاہ جی مرحوم نے سرانجام دیا۔ کاش ان لامحدود داخلی اثرات کو پوری طرح

خارجی طور پر متحد اور منظم کرنے کا کام بھی سرانجام پا جاتا۔

امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ عظمتوں کا ایک جہان تھے۔ بصیرتوں کی ایک کائنات تھے۔ اس جہان اور کائنات اس کا احاطہ میرے بس میں نہیں۔

شاہ جی کے جذبہ انقلاب اور ان کے ذوق اصلاح دعوت کی کئی جہتیں ہیں۔ لیکن ایک جہت انتہائی بنیادی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ سرزمین ہند پر فرنگی تسلط و فرمانروائی کو توڑنے کے لئے ان کی باغیانہ آواز نے فضاؤں میں جو تھرتھراہٹیں پیدا کیں۔ ان کے اثرات بڑے فیصلہ کن ثابت ہوئے۔ مسلمانانِ ہند کو آزادی کی نعمت سے ہمکنار کرنے کے لئے انہوں نے نہایت مؤثر کردار ادا کیا۔ شاہ جی ہماری داستان حریت و آزادی کے اہم ہیرو تھے۔

مستقبل کا مؤرخ کوئی ابن بطوطہ، کوئی البیرونی، کوئی ابن خلدون، کوئی بلاذری، کوئی مسعودی، کوئی غلام رسول مہر، کوئی معین الدین ندوی اور کوئی شیخ اکرام الحق۔ گردش روزگار کی کسی سازگار کروٹ کے ساتھ جب بھی جنم لے گا تو وہ یہ طے کر سکے گا کہ شہاب الدین سہروردی، اور بہاء الدین زکریا ملتانی، وجیہہ الدین عراقی، شیخ الاسلام صدر الدین عارف، شاہ رکن عالم رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان جیسے تمام عارفان حق سے بننے والی مسلسل اور تابناک زنجیر میں امیر شریعت کا کیا مقام ہے۔ وہ عارف باللہ تھے۔ ایک عارف کی حیثیت سے شاہ جی مرحوم ایسے قطبی ستارہ تھے جنہیں دیکھ کر ان کے عہد کی انسانی نسلیں اپنی سمت سفر کو درست کرتی رہیں۔

شاہ جی زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔ لٰہذا مستقبل کی اولادِ آدم بھی ان سے اس روحانی استفادہ کو یقیناً جاری رکھے گی۔

رہ وفا میں ترے بعد آنے والوں کو
قدم قدم پہ ملیں گے نشان منزل کے

قطعہ تاریخ وفات

شمعے کہ مدتے بہ جہاں نور می فشاند
آں شمعِ نور پاش زدستِ قضا فسرد
دردآشنا مجاہد، و شیوا بیاں خطیب
فردِ عمل بہ ناز حضورِ خدا ببرد
تاریخِ انتقالِ بخاری بگو خلیق
گویدٔ "آہ بلبلِ باغِ نبی بمرد

۱۳۸۱ھ — خلیق قریشی